بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس دُنیا میں انسان اللہ تعالیٰ کا صحیح معنوں میں فرمانبردار بندہ بن کر رہے، یہ ایک بڑا ہی مشکل کام ہے۔ جس شے نے اس کام کو بے انتہا مشکل بنا دیا ہے وہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سیدھا راستہ اختیار کرنے یا غلط راہ پر چلنے دونوں کا اختیار بخش دیا ہے۔ وہ چاہے تو اپنے پیدا کرنے والے کو مانے اور چاہے تو اسکا انکار کرکے کسی حقیر سے حقیر چیز کے آگے سر جھکا دے۔ چاہے تو نیکی کا رویہ اختیار کرے اور چاہے تو اکڑ میں آکر نافرمان بن بیٹھے۔ پھر ایک تو اسے برائی کرنے کا اختیار دیا گیا اور دوسرا اس کے ساتھ اس کا ازلی دشمن شیطان بھی لگا ہوا ہے جو ہر وقت برائی کو خوشنما بنا کر اس کے سامنے پیش کرتا اور اسے بہکانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ ان دونوں چیزوں نے مل کر انسان کے لیے یہ کام بے انتہا مشکل بنا دیا ہے۔ برائی کو کر گزرنے کا اختیار ہونے کے باوجود برائی سے بچنا اور ایک ایسے دشمن سے اپنے دین و ایمان کو بچا لینا جو جسم میں خون کی طرح گردش کرتا رہتا ہے یہ منزل بڑی کٹھن منزل ہے اور یہ راہ بڑی دشوار گزار راہ ہے۔

دوسری ضروری بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جو کام دنیا میں مشکل رکھے ہیں ان میں آسانی پیدا کرنے کے اسباب بھی ساتھ ہی پیدا کر دیے ہیں اور محبت کا جذبہ انہیں اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ یہ جذبہ زندگی کی مشکلات میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ زندگی کے سفر میں جو راہیں زیادہ کٹھن ہیں وہاں اس جذبے کو بھی زیادہ رکھ دیا گیا ہے تاکہ مشکلات کے احساس کو کم کرتا رہے۔ مثلاً انسانی بچے کی پیدائش و پرورش ماں کے لیے اتنی بڑی اور تکلیف دہ چیز ہے کہ صرف ماں ہی جان سکتی ہے کہ وہ اس راہ میں کتنی مشقت برداشت کرتی ہے اور ذہنی اور جسمانی اذیت سہتی ہے مگر جہاں اس پر اتنا بوجھ ڈالا گیا ہے وہاں اس کے دل میں بچے کی محبت کا جذبہ اتنا شدید رکھ دیا گیا ہے کہ وہ اس کی خاطر ہر قربانی دینے کو تیار ہو جاتی ہے کیونکہ اس کی ممتا اس کی ہر مشکل کو آسان کرتی چلی جاتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ہمہ وقت فرمانبرداری کا مشکل کام اللہ تعالیٰ کی محبت کی بدولت ہی آسان ہوسکتا ہے۔ دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا جگہ پکڑ لینا وہ خوش بختی ہے کہ جب یہ حاصل ہوجائے تو یہ دنیوی زندگی ہی جنت بن جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے گہرا ہوجانے کے باعث دنیوی مشکلات اور مصائب بالکل ختم ہوجاتے ہیں۔ انہیں تو انسان کی زندگی میں بہرحال رہنا ہی ہوتا ہے کیونکہ زندگی تو ہے ہی امتحان، تاہم حب الٰہی کا جذبہ ان کی شدت اور اذیت کو بے انتہا کمزور کر دیتا ہے اور بہت سے ایسے حادثات و واقعات جنہیں عام لوگ بڑی بڑی مصیبتیں سمجھتے ہیں۔ حب الٰہی کا جذبہ رکھنے والوں کے لیے سرے سے مصیبتیں ہی نہیں بنتے۔

دکھ، بیماری یا کسی عزیز کا دنیا سے چلا جانا ان سب حادثات سے تو وہ لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں جن کے دلوں میں خدا کی محبت جگہ پکڑ چکی ہوتی ہے تاہم یہ تاثر انہیں بے قراری کے اس درجے پر نہیں پہنچاتا کہ وہ ہوش و حواس کھو بیٹھیں یا اللہ رب العالمین سے شکوے شروع کر دیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم ؓ اپنی آخری سانسیں لے رہے تھے۔ شدت غم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مگر زبان مبارک سے یہی فرمایا:

”آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہے مگر (منہ سے) ہم وہی بات کہیں گے جو ہمارے رب کو پسند ہے اور پھر (بچے کو مخاطب کر کے صرف اتنا) فرمایا کہ خدا کی قسم اے ابراہیم ؓ ہم تیرے باعث غمگین ہیں“۔ (سنن ابی داؤد: ۳۱۲۶)

غرض یہ کہ حب الٰہی کا جذبہ ایک ایسا مخلص، ہمدرد اور دلسوز رفیق ہے جو ہر دم ساتھ رہتا، ہر پریشانی میں دلجوئی کرتا اور ہر غم میں سہارا بنتا ہے۔

حب الٰہی کے بغیر یہ کٹھن راہیں کبھی طے نہ ہوسکیں گی۔ یہی حب الٰہی ہے جو تمام محبتوں کی اصل ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین کی محبت بھی اسی سرچشمے سے نکلی ہیں کیونکہ

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی لیے محبوب ہیں کہ وہ خدا کے رسول ہیں اور دین بھی اسی لیے پیارا ہے کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا دین ہے۔

وجوہاتِ محبت

اب ہم دیکھیں گے کہ کسی سے محبت جن وجوہ سے کی جاتی ہے وہ تمام وجوہ اللہ تعالیٰ میں نہ صرف بیک وقت پائی جاتی ہیں بلکہ کامل صورت میں پائی جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

محبتِ نفس

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر شخص اپنی ذات کو چاہتا ہے۔ وہ اپنی صحت، مال و اولاد کی سلامتی چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ ان کی بقا کو اپنی ذات ہی کی بقا سمجھتا ہے۔ جانتا ہے کہ ان سے اس کا اپنا نام باقی رہے گا۔ جس قدر اس کا مال و دولت و کنبہ زیادہ ہوگا اس کی عزت و شوکت میں ترقی ہوگی۔ صاف ظاہر ہے کہ ان سب سے محبت دراصل اس کی اپنی ذات ہی کی محبت پر مبنی ہے۔

علم صحیح انسان کو اپنی ذات کی محبت سے نکال کر اپنی ذات کے خالق کی محبت کی طرف لے جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی ذات قائم ہے۔ جس شخص کو اپنی ذات کا عرفان حاصل ہے وہ جانتا ہے کہ اس کی ہستی یا وجود خود اس کی ذات سے قائم نہیں بلکہ اس کا وجود، دوام و کمال کسی اور ہی سے ہے۔ جس نے اس کو پیدا کیا، زندگی عطا کی، کمال تک پہنچایا۔ وہی اس کا خالق اور قائم رکھنے والا ہے۔ وہی اس میں صفات کمال پیدا کرتا ہے۔ ان کی تکمیل کے اسباب فراہم کرتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”ہم پہلے اسے پیدا کر چکے ہیں حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا“۔ (مریم ۱۹: ۶۷)

جب انسان کو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کا وجود حی و قیوم کی وجہ سے ہے جو از خود قائم اور تمام اشیاء کا قائم رکھنے والا ہے تو پھر وہ ضرور اس ہستی کی محبت اپنے قلب میں محسوس کرنے لگتا ہے جو اس کے وجود کا خالق، ہر آن اس کا قائم رکھنے والا منعم و محسن ہے۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص دھوپ سے بچنے کی خاطر درخت کے سایہ کی پناہ لے اور سایہ کو دوست رکھے اور درخت کو ناپسند کرے جس کی وجہ سے سایہ کا قیام ہے؟ اسی طرح اس کو معلوم ہے کہ اس کا وجود اور اس کی ساری صفات کا قیام حق تعالیٰ ہی کا احسان ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی محبت شدت کے ساتھ اپنے قلب میں محسوس نہ کرے۔ جس قدر رب کی معرفت اور اس کے احسانات کا شعور اسے ہوگا اسی قدر حق تعالیٰ کی محبت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس کے لیے آدمی روزانہ تھوڑا وقت ضرور نکال کر اللہ تعالیٰ کی ظاہر و باطن میں بخشی نعمتوں پر غور کرے۔

کبھی کبھی غور کرتے کرتے وہ اس پہلو سے بھی سوچے کہ اگر یہ نعمتیں اس کو نہ حاصل ہوتیں تو کیا ہوتا؟ یہ آنکھ جس سے وہ دیکھتا ہے اس سے وہ محروم ہوتا، یہ کان جن سے وہ سنتا ہے یہ بہرے ہوتے، یہ ہاتھ جن سے وہ زور آزمائی کرتا ہے شل ہوتے، یہ پاؤں جن سے وہ چلتا ہے مفلوج ہوتے تو اس کا حشر کیا ہوتا۔ پھر سب سے زیادہ اس بات پر دھیان کرے کہ یہ دماغ جس کی کارفرمائیوں پر وہ سب سے زیادہ نازاں ہے خدانخواستہ یہ ماؤف ہوتا تو اس کا کیا حال ہوتا؟

ذرا نابینا کی مشکلات کا اندازہ کیجیے۔ جب وہ چلتا ہے تو اس کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنا قدم کس جگہ رکھ رہا ہے۔ آیا کسی خطرناک گڑھے میں یا کسی نقصان دینے والے کیڑے یا جانور پر۔ چیزوں کے رنگ اس کے لیے بالکل بے معنی ہیں۔ آپ اپنی دونوں آنکھیں زور سے بند کر لیجیے؟ کس قدر اندھیرا ہے؟ آپ کے لیے یہ اندھیرا چند لمحوں کے لیے تھا لیکن نابینا شخص کے لیے پوری زندگی کا ہے۔ اگر گونگے حضرات کی پریشانی آپ جاننا چاہیں تو صرف ایک دن زبان سے کچھ نہ بولیے۔ صرف اشاروں میں بات کیجیے۔ جس کے ہاتھ نہیں ہیں سوچیے وہ بس میں کیسے سوار ہوتا ہوگا؟ کھانا کیسے کھاتا ہوگا۔ لباس تبدیل کرنا، اچانک ٹھوکر لگنے پر خود کو کیسے بچاتا ہوگا؟ اس بات پر بھی غور کریں کہ نہ خدا پر ہمارا کوئی حق تھا، نہ کسی نعمت

کا ہم نے معاوضہ ادا کیا اور نہ کر سکتے ہیں۔ پھر وہ جب چاہے اپنی ہر نعمت کو ہم سے چھین سکتا ہے۔ کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ اور پھر مزید یہ کہ اس نے اپنے فرماں بردار بندوں کے لیے لازوال نعمتوں کی ایک دنیا بنائی اور وہ چاہتا ہے کہ بندے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعے وہ ہمیشہ کی عیش حاصل کرسکیں۔ اس کے لیے اُس نے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اس سلسلہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب اور ان کی سنت کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ یہ انسانوں پر رب کا احسان عظیم ہے۔

احسان

انسان میں جذبہ محبت کا ایک نہایت قوی باعث احسان ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ احسان کا سلوک کرتا ہے یعنی اس کو مال و دولت عطا کرتا ہے اس کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے، اس کی مدد و اعانت کرتا ہے، اس کو دشمنوں کے شر سے بچاتا اور اس کے مقاصد کے حصول کے اسباب فراہم کرتا ہے، اس کی خواہشات کی تکمیل کرتا ہے، اس کے عزیز و اقارب کو خوش و خرم رکھتا ہے تو یہ شخص ضرور اس کی نظر میں محبوب ہوجائے گا اور وہ اپنے محسن کو دل و جان سے محبت کرنے لگے گا۔ یہ انسان کی فطرت کا تقاضہ ہے۔ وحشی سے وحشی بھی احسان کی زنجیر میں جکڑا جاتا ہے۔ آدمی ذرا غور کرے تو واضح ہوجاتا ہے کہ محسن حقیقی تو حق تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کو یوں سمجھیے کہ اگر آپ کو کوئی شخص ڈھیروں مال عطا کرتا ہے تو وہ محسن حقیقی نہیں مجازی ہے۔ محسن حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں کیونکہ اس دولت کا جمع کرنا، دینے والے کو توفیق دینا کہ اس میں سے آپ کو کچھ دے، یہ سب کام حق تعالیٰ ہی کے ہیں جنہوں نے مال و دولت، ارادہ اور توفیق کو پیدا کیا۔ اگر وہ مال و دولت پیدا نہ فرماتے تو خزانہ کہاں سے جمع ہوتا اور اگر عطا کرنے والے کے دل کو آپ کی طرف راغب نہ کرتے تو وہ آپ کو کیوں دیتا۔ آپ کو دینے کا ارادہ ہی کیسے کرتا؟ حق تعالیٰ نے اسے عطا کیا پھر اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ آپ کو دے۔ ایسی صورت میں محسن اسی ذات کو جاننا چاہیے جس نے تمام اسباب فراہم کیے۔ لہٰذا حق تعالیٰ ہی حقیقی معنوں میں محسن ہیں۔ ان کا احسان و انعام خلق کے نفع کے لیے ہے۔ خود حق تعالیٰ کی ذات کو اس سے کوئی فائدہ یا نفع نہیں۔ نہ ان کی کوئی غرض اس سے متعلق ہے۔ یہ ساری ظاہری و باطنی نعمتیں جو ہمیں حاصل ہیں ان ہی کی عطا کردہ ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”غرض یہ کہ تمہیں ہر اس چیز میں سے دیا جو تم نے مانگی اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انہیں شمار نہ کر پاؤ گے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناانصاف (اور) بڑا ہی ناشکرا ہے“۔ (ابراہیم ۱۴: ۳۴)

محبوب کی طرف سے جو انعامات عطا ہوں، دل ان کے احساس سے معمور اور زبان ان کے اظہار میں مصروف رہے۔ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے احسانات پر غور کرنے سے انسان کا دل محبت الٰہی سے لبریز ہوجاتا ہے۔

کمال

انسان کی فطرت میں کمال سے محبت کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہوجائے کہ فلاں حاکم بڑا عادل، غریب پرور، پرہیزگار ہے۔ گو وہ کسی ایسے دور کے مقام میں ہو جہاں سننے والا کبھی پہنچ نہ سکے تب بھی اس کی محبت بے اختیار اس کے دل میں پیدا ہوجائے گی۔

غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس سبب کی بنا پر بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی مستحق محبت ہیں۔ اسی ذات کی ربوبیت سے یہ کائنات رواں دواں ہے۔ تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل عظیم سے پیدا کیا، ان کو ان کی ضرورت کی چیزیں عطا کیں۔ طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا۔ ان کی زیب و زینت، عیش و راحت کے سامان فراہم کیے۔ ان سے بڑھ کر دینے والا حاجتوں کا رفع کرنے والا، سخی و کریم کون ہوسکتا ہے؟ جو ذات پاک ایسی محسن ہو۔ جو حسن کی، محسن کی، احسان کی، احسان کے اسباب کی خالق ہو، اس سے محبت نہ کرنا جہالت کی واضح

دلیل ہے۔ اس محسنِ حقیقی کو محسن نہ ماننا جس کے احسان کی کوئی انتہا نہیں۔ جس کی سخاوت کی کوئی حد نہیں۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب اسی سے فیض یاب ہو رہے ہیں، سخت نادانی ہے۔

حسن و جمال

حسن و جمال سے محبت ایک فطری چیز ہے۔ ہر چیز کے حسن و جمال کے معنی یہ ہیں کہ جو کمال اس چیز کے لائق اور ممکن ہو وہ اس میں پایا جائے۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ یہ گھوڑا حسین ہے تو ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جتنی خوبیاں گھوڑے میں ہونی چاہئیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔ یعنی صورت شکل، رنگ ڈھنگ، خوش رفتاری وغیرہ سب اس میں پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو خالق حسن ہے۔ ساری کائنات اور اس کی تمام مخلوقات کا حسن اللہ تعالیٰ کے خزانہ حسن کی ایک ادنیٰ بخشش ہے۔ سوچیے تو اتنی خوبصورت کائنات کا رب خود کس قدر حسین ہوگا۔

یہ حسن و جمال غیر محسوس چیزوں میں بھی مانا جاتا ہے۔ سب ہی کہتے ہیں فلاں شخص میں حسن خلق پایا جاتا ہے۔ عقل و حکمت، صداقت، کرم، تقویٰ، مروت ان میں کسی کو بھی حواس سے محسوس نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کا علم باطنی بصیرت سے ہوتا ہے اور یہ سب کی سب محبوب ہیں۔ جس شخص میں یہ صفات ہوتی ہیں وہ بھی ہمیں محبوب ہوتا ہے۔ صالح لوگوں سے ہمیں محبت ہوتی ہے۔ گو ہم نے ان کو دیکھا بھی نہ ہو محض ان کا تذکرہ ہی سنا ہو۔ ان سے محبت ان کے باطن کے حسن و جمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ان کے علم و تقویٰ کی وجہ سے ہوتی ہے جس کی کوئی ظاہری صورت نہیں ہوتی جو آنکھ سے نظر آئے۔ انبیائے کرام اور صالحین سے جو محبت ہوتی ہے اگر غور کیا جائے تو یہ تین صفات پر منحصر معلوم ہوتی ہے۔ علم، قدرت، تقدس۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ تینوں صفات بدرجہ کمال صرف حق تعالیٰ ہی کی ذات میں جمع ہیں نہ کہ کسی اور میں۔ اس لیے صرف حق تعالیٰ ہی لائق محبت ہیں نہ کہ کوئی دوسرا۔

صفت علم کو لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام دنیا کے علوم کو جمع کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے علم کے ایک ذرہ کے برابر بھی نہیں۔ جس کے علم سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ زمین و آسمان کے تمام دانا یکجا جمع ہوں اور ایک چیونٹی یا مچھر کی تخلیق کی حکمت دریافت کرنا چاہیں تو اس حکمت کے سوویں حصہ پر بھی مطلع نہ ہوسکیں۔ اور جو بھی علم ان کو ملا ہے وہ بھی اسی کی تعلیم سے ملا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”اور اگر زمین میں جو درخت ہیں وہ قلم بن جائیں اور سمندر سات مزید سمندروں کے ساتھ (روشنائی بن جائیں)، جب بھی اللہ کی نشانیاں قلم بند نہیں ہوسکتیں۔ بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے“۔ (لقمٰن ۳۱: ۲۷)

اگر علم عالم کے لیے باعث زینت و کمال ہے تو پھر حق تعالیٰ کے سوا کوئی اور محبوب نہیں ہوسکتا۔ اب صفت قدرت کو لیجیے۔ تھوڑی دیر کے لیے حق تعالیٰ کے قدرت و غلبہ، جلال و عزت پر غور کریں جس کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات ہے۔ تمام آسمان و زمین سورج چاند ستارے، سر بفلک پہاڑ، طوفان، سمندر، حیوانات اور انسان ان سب کا خالق و مالک وہی ہے۔ سب کی پیشانی اس کی مٹھی میں ہے۔ اگر وہ سب کو تباہ کر دے تو اس کی مملکت میں ایک ذرہ کمی نہ ہو۔ اس جیسی کروڑوں پیدا کرے تو ذرا بھی نہ تھکے۔ قوت اس کے سوا کسی کو نہیں۔ وہی جبار و قہار، دانا و توانا ہے۔ عظمت و جلال، قہر و غلبہ سب اسی کے شایاں ہے۔ اب اگر کسی سے محبت کمال قدرت کی وجہ سے ہوسکتی ہے تو ایسی محبت کا مستحق حق تعالیٰ کے سوا اور کون ہوسکتا ہے؟

اب صفت تقدس پر غور کریں۔ خامیوں سے بری ہونا۔ اس صفت کے پائے جانے کی وجہ سے ہم انبیاء و صالحین سے محبت کرتے ہیں مگر کمال تقدس سوائے اس ذات پاک کے کسی میں موجود نہیں جو الملک، القدوس، ذوالجلال والاکرام ہے۔ خود مخلوق ہونا عاجز و مجبور ہونا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کمال جس صفت کا نام ہے وہ صرف خدائے واحد کے لیے ہی خاص ہے۔ اگر کسی مخلوق میں کوئی کمال پایا جاتا ہے تو یہ سب اسی کی ایک عطا ہے۔

انہی سب اسباب سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اب اگر یہ تمام اسباب کسی ایک فرد میں جمع ہو جائیں تو اسکی محبت اپنے عروج اور بلندی پر ہوگی۔ مثلاً اگر کسی شخص کا بیٹا خوبرو، خوش اخلاق، صاحب علم، مدبر، لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا، نہایت خدمت گزار ہو تو ظاہر ہے کہ باپ کو اس سے بے پناہ محبت ہوتی ہے۔ پھر یہ محبت اسی قدر قوی ہوگی جس قدر مذکورہ بالا عادتیں پختہ ہوں گی۔ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان تمام اسباب کا کمال اور اجتماع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہے اور وہی ہماری محبت کا حقیقی مستحق ہے چونکہ اُس کا کوئی شریک نہیں لہذا اُس کی محبت میں بھی کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ اصل محبت اور کمال محبت کا حق صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ کیونکہ

- وہی ہمارا خالق و مالک ہے اور اسی کی ربوبیت کے باعث ہم زندہ ہیں۔
- اس کے احسانوں کی بارش اسباب کے پردے سے ہم پر جاری وساری ہے۔
- وہی تمام مخلوق پر احسان کرنے والا اور ہر وجود کو اپنے فضل سے نوازنے والا ہے۔ اس نے پہلے انہیں وجود کی دولت بخشی پھر انہیں نعمتوں سے مالا مال کیا۔

خدا فراموشی کیوں؟

ہمیں تو آنکھیں صرف اس لیے دی گئی تھیں کہ ہم صرف اسی کے جلوے دیکھیں، دل اس لیے دیا گیا تھا کہ صرف اسی سے پیار کریں۔ آنسو اس لیے دیے گئے تھے کہ صرف اس کی یاد میں بہائیں۔ ہماری پیشانی بلند کی گئی تھی تو صرف اس لیے کہ صرف اسی کے سامنے جھکائیں۔ پر آہ ہماری زبانیں اس کی حمد کے زمزموں سے محروم ہوگئیں، ہمارے دل اس کی محبت کے نہ ہونے سے اُجڑ گئے، ہماری روحوں میں اس کی چاہت کی جگہ غیروں کی چاہتیں بھر گئیں۔ ہمارے قدم اس کی طرف بڑھنے سے بوجھل ہو گئے۔ اور ہماری آنکھوں میں اس کے عشق کے درد وغم کے لیے ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہا۔ ہمارے خدا نے ہمارے ساتھ کون سی برائی کی تھی کہ ہم نے اسے چھوڑ دیا اور اسے چھوڑ کر کون سی دولت ونعمت ہے جو ہمیں ہاتھ آ گئی؟ خدا سے بڑھ کر کس کے پاس محبت و پیار ہے۔ ہم غیروں کے پاس جاتے ہیں کہ ٹھوکریں کھائیں، پر خدا کے پاس نہیں دوڑتے کہ وہ ہمیں پیار کرے۔

عمل کا پہلا قدم

اس سفر کا پہلا قدم توبہ ہے۔ آیئے اپنی تمام قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ خدا کے آگے جھک جائیں، اس کی سرکشی اور بغاوت چھوڑ دیں اس کی محبت میں دیوانے ہوجائیں اور اس کے آگے اس طرح گریں اور اس طرح روئیں اور اس طرح تڑپیں کہ اسے ہم پر پیار آ جائے اور وہ ہمیں پہلے کی طرح پھر اپنی گود میں اُٹھالے اور ہم پر اپنے بے پایاں انعامات کی بارش کر دے۔

اطاعت خداوندی

خدا کی صدائیں اٹھتی ہیں کہ غفلت کے سرشار آنکھیں کھولیں۔ اپنے آپ سے پوچھیے کہ دنیا میں کوئی قوم اپنے رب کی نافرمانی کر کے بھی زندہ رہی ہے اور انسانوں کا کوئی گروہ خدا سے بھاگ کر بچ سکا ہے؟ آج تک کوئی ایسا انسان گزرا جس نے غفلت و اعراض کی زندگی پائی ہو پھر بھی کامیاب رہا ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ کیا ہے کہ ہم زہر کھا کر زندگی کے امیدوار ہیں۔ جہنم کے راستے پر چل کر جنت پہنچنے کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ ہم زندگی فرعون جیسی گزار کر انجام موسیٰ علیہ السلام جیسا چاہتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی معرفت ومحبت حاصل کرنے کے لیے محنت کرنا اور قربانیاں دینا ہوں گی۔

حب الٰہی کے حصول کے دس امور

- قرآن کریم کی اس طرح تلاوت کرنا کہ ہر لفظ کے معانی، مفہوم اور اس کے تقاضوں پر غور وفکر اور تدبر کیا جائے۔
- فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل کا اہتمام تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔ یہ چیز آدمی کو درجہ بدرجہ خدا کی محبت سے آگے بڑھ کر خدا کا محبوب بنا دیتی ہے۔

- ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اہتمام۔ یہ ذکر زبان، دل، عمل اور حال ہر چیز سے ہو۔ اس میں جتنی سرگرمی ہوگی اسی کے بقدر محبت الٰہی میں آدمی کا حصہ ہوگا۔
- اس امر کی کوشش کہ جب نفس کی خواہشیں زور لگائیں تو آدمی اپنی پسند کو چھوڑ کر خدا کی پسند کو اختیار کرے۔ یہ چڑھائی کتنی ہی ہمت آزما نظر آئے لیکن وہ ہمت نہ ہارے۔
- دل اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے مطالعہ، ان کے اسرار وحقائق کے مشاہدہ اور ان کی معرفت کے باغوں کی سیر میں برابر لگا رہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء وصفات اور اس کے افعال کی راہ سے پہچانے گا وہ لازماً اس سے محبت بھی کرے گا۔
- ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے افضال واحسانات اس کی شانوں اور کرشموں اور اس کی ظاہری و باطنی نعمتوں پر نگاہ رکھے۔ یہ چیز خاص طور پر اس کی محبت پیدا کرنے والی ہے۔
- اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دل کو انتہائی انکساری کی حالت میں پیش کیے رکھنا۔
- جو اوقات اللہ تعالیٰ کے آسمان دنیا پر نزول کے ہیں (یعنی رات کا آخری تہائی) ان میں اس سے مناجات، اس کے کلام کی تلاوت، طویل قیام کے ساتھ نماز اور آخر میں استغفار اور توبہ پر اس کا اختتام۔
- اللہ تعالیٰ کے سچے دوستوں کی مجالس میں بیٹھنا اور ان کی اچھی گفتگو کے ثمرات سمیٹنا اور خود اس وقت تک گفتگو نہ کرنا جب تک یہ واضح نہ ہوجائے کہ اب بات کہنے میں ہی اپنے حال کی اصلاح اور دوسروں کی مصلحت ہے۔
- ان تمام اسباب وذرائع سے اجتناب اختیار کرنا جن کی وجہ سے انسان کے دل اور اس کے رب کے درمیان دوری پیدا ہو۔

انہی اسباب سے محبت کرنے والوں کا گروہ محبت کی منزلیں طے کر کے اپنے محبوب تک پہنچتا ہے۔

حب الٰہی کے تقاضے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی (اختیار) کرو۔ (اگر تم نے ایسا کیا تو) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور وہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔ (ان سے) کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو (سن رکھیں کہ) اللہ انکار کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا“۔ (آل عمران ۳:۳۱، ۳۲)

ایمان کی اصل روح خدا کی محبت ہے۔ اور اس محبت کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی ایسی محبت جمع نہ ہونے پائے جو اس کی ضد ہو۔ دوسرے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا واحد راستہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کا ہے۔ اس سے ہٹ کر جو راستے نکالے گئے ہیں وہ سب گمراہی کے ہیں۔ تیسرے یہ کہ خدا کی محبوبیت کا راستہ بھی رسول کی پیروی ہی کا ہے۔ اگر کسی شخص کی زندگی رسول کی سنت سے منحرف ہو اور وہ اس زعم میں مبتلا ہو کہ وہ خدا کا محبوب ہے، دوسرے اس کو محبوب خدا سمجھیں تو یہ بالکل باطل گمان ہے۔ چوتھے یہ کہ دین کا کم سے کم مطالبہ اللہ اور رسول کی اطاعت ہے۔ اگر کوئی شخص یہ مطالبہ پورا کرنے سے اعراض اختیار کرتا ہے تو اس کا شمار دین کے منکروں میں ہے۔ اللہ ایسے لوگوں سے محبت نہیں رکھتا۔

ایمان کے تقاضے پورے کرنے کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ عبادت واطاعت اس کی سچی محبت کے ساتھ ہو۔ اس محبت کے لیے معیار یہ ٹھہرایا گیا ہے کہ یہ دنیا کی تمام چیزوں کی محبت سے بڑھ کر ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

- ”ان سے کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان اور وہ مال جو تم نے کمایا، وہ تجارت جس کے مندے کا تم کو

اندیشہ ہے اور وہ مکانات جو تمہیں پسند ہیں، اگر تمہیں اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ صادر فرما دے اور اللہ تعالیٰ بدعہدوں کو بامراد نہیں کرتا“۔ (التوبہ ۹:۲۴)

- ”اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہم پلہ بناتے ہیں۔ وہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے (رکھنا چاہیے) حالانکہ اہلِ ایمان تو (سب سے) بڑھ کر صرف اللہ ہی کو محبوب رکھتے ہیں“۔

(البقرۃ ۲:۱۶۵)

کسی چیز کا اللہ اور رسول سے زیادہ عزیز ومحبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے سامنے جب دو بالکل متضاد مطالبے آئیں۔ ایک طرف اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مطالبہ ہو دوسری طرف مذکورہ چیزوں میں کسی چیز کا مطالبہ اور آدمی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطالبے کو نظر انداز کر کے دوسری چیز کے مطالبہ کو ترجیح دے دے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ اس کو وہ چیز محبوب ہے اور اگر اس کے برعکس وہ اس چیز کے مطالبہ پر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطالبہ کو مقدم رکھے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کو ترجیح دی۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ محبت ایمان کا لازمی تقاضہ ہے۔ اس کے بغیر کسی کا دعویٰ ایمان معتبر نہیں اور یہ محبت الٰہی کے جانچنے کے لیے ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے ہر شخص اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنے ایمان اور اپنی محبت کو جانچ سکتا ہے۔ یعنی دوسروں کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع ہو۔ اس کے برابر یا اس سے بڑھ کر نہ ہو۔

آخری بات

خدا سے قرب ودوری کا انحصار بندے کے اپنے دل کی حالت پر ہے۔ اگر بندہ خدا سے غافل اور بے پرواہ رہے تو اس سے زیادہ دور کوئی چیز نہیں لیکن اگر وہ خدا کی طرف متوجہ رہے، اس کی یاد سے اپنے دل کو معمور رکھے، اس کی نعمتوں پر اس کا شکر گزار رہے اور اس کی آزمائشوں میں صبر واستقامت کے لیے اسی کے آگے روئے اور گڑگڑائے تو خدا سے زیادہ قریب بندے سے کوئی چیز نہیں۔ وہ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ بندہ جب اپنے رب کو پکارتا ہے تو وہ اس کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ جواب دینے سے مراد قبولیت کا جواب ہے۔ اگر بندہ اپنے رب سے وہ چیز مانگتا ہے جو مانگنے کی ہے اور اس طرح مانگتا ہے جس طرح مانگنا چاہیے تو وہ اس کو ضرور عطا ہوجاتی ہے۔ اور اگر اس شکل میں نہ ملے تو اس سے بہتر شکل میں وہ اس کو مل جاتی ہے یا اس کے لیے محفوظ کر دی جاتی ہے۔

نیز بندہ جب اپنے رب سے سچی محبت کرتا ہے تو پھر اس کا رب بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ کس قدر خوش نصیب ہے وہ شخص جو اپنے رب سے سچی محبت کرے اور پھر اس کا رب اس سے راضی ہو۔ اس کا ہر لمحہ اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری میں صرف ہوتا ہے۔ وہ اپنے رب کے اپنے بارے میں ہر فیصلے پر راضی رہتا ہے۔ لہٰذا اسے خوشخبری دی جاتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”اے وہ جس کا دل (اپنے رب پر) جما رہا! چل اپنے رب کی طرف! تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی! سو مل جا میرے بندوں میں۔ اور داخل ہوجا میری جنت میں“۔ (الفجر ۸۹:۲۷۔۳۰)

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے خوش نصیبوں میں شامل فرمائے۔ آمین!

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ يُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَمَالِیْ وَاَهْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔

”الٰہی میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ کی محبت اور محبت آپ سے محبت کرنے والے کی اور ایسے عمل کی جو پہنچا دے مجھ کو آپ کی محبت تک، الٰہی! کر دے اپنی محبت بہت محبوب میری طرف میری جان سے اور میرے مال سے اور میرے اہل سے اور ٹھنڈے پانی سے“۔ (مشکوٰۃ: ۲۴۹۶)

الدال علی الخیر کفاعلہ

بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا بھلائی کرنے والے ہی کی مانند ہے

پیامِ دوست

22

: 0092-333-5115922
: pyamedost@hotmail.com
: www.pyamedost.org

5/- PKR EACH

خود پڑھیے، دوسروں کو پڑھائیے یہ صدقۂ جاریہ ہے

حُبِّ الٰہی

مستند علماء کی منتخب تحریروں سے مرتّب شدہ